خواتین کے لیے اصلاحی تفریحی ادب

ماہنامہ

آنچل

کراچی

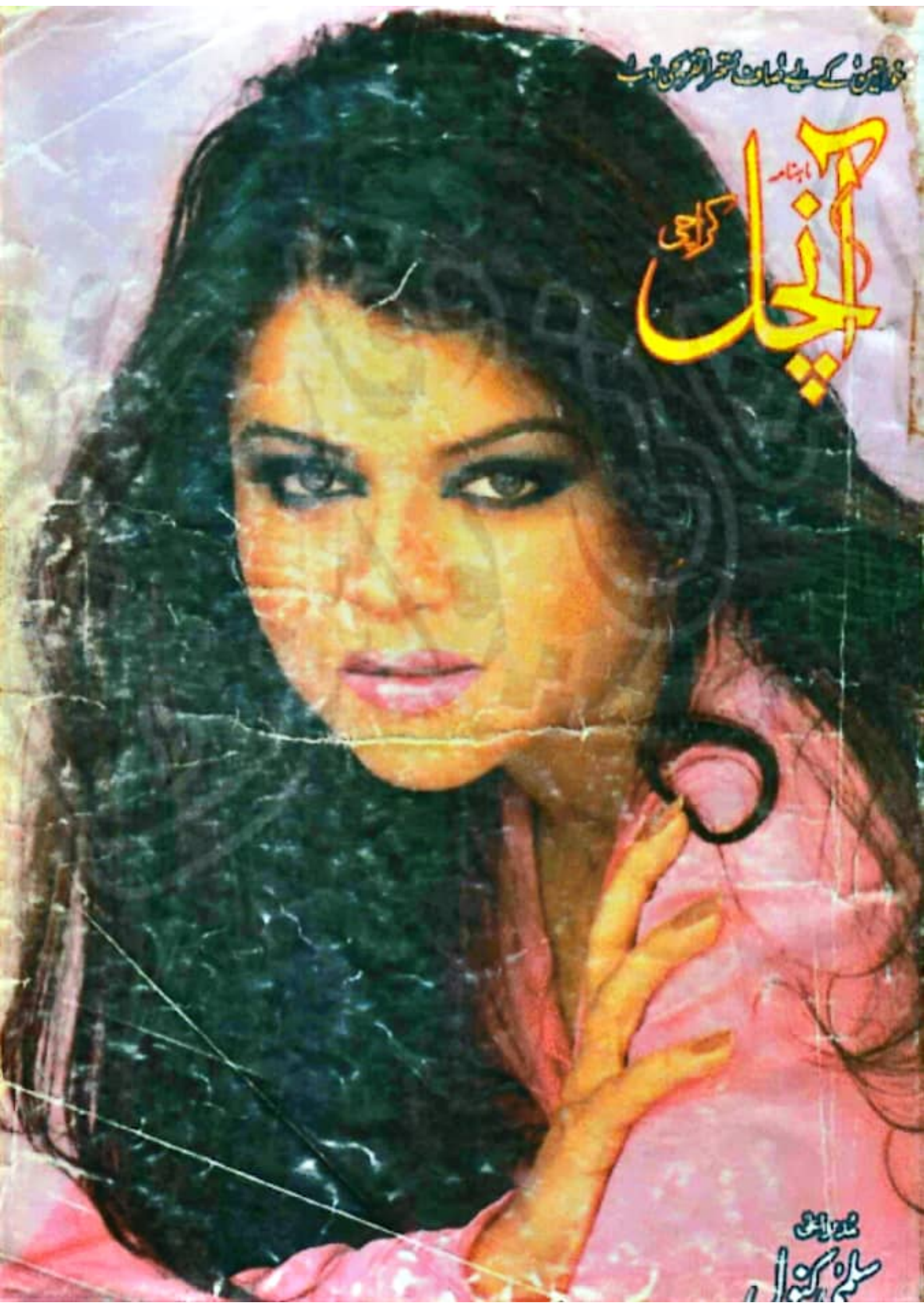

مدیرہ اعلیٰ

سلمیٰ کنول

عجب تازہ گلاب تھا

عالیہ حرا

digest library.com

کبھی خود پہ کبھی حالات پہ رونا آیا
بات نکلی تو ہر اک بات پہ رونا آیا
ہم تو سمجھے تھے کہ ہم بھول گئے ہیں اُن کو
کیا ہوا آج یہ کس بات پہ رونا آیا

''امی! وہ کون سی دنیا ہے جہاں کوئی چلا جاتا ہے تو واپس ہی نہیں آ سکتا۔'' نو سالہ فیضان کی باتوں نے مجھے چونکا دیا۔

''کیوں بیٹا، تمہیں کس نے کہا؟''

''کسی بھی گاڑی پر واپس نہیں آ سکتے کیا؟'' وہ اپنی دھن میں تھا۔

''فیضان۔'' میں نے اسے گھورا۔

کبھی کبھی زیادہ ذہین بچے بھی وبال لگتے ہیں۔ الٹے سیدھے سوال کرتے ہیں۔

''تمہیں کس نے کہا؟''

''اب آپ کو کوئی انعام نہیں ملے گا۔ آپ نے میرے کسی سوال کا جواب درست نہیں دیا۔'' اس نے منہ پھلا لیا۔ میں مسکرا دی۔ گویا میرے ساتھ نیلام گھر کھیل رہا تھا۔

''اچھا پہلے بتاؤ انعام میں کیا ملے گا۔'' میں نے مسکرا کر اسے سامنے کیا۔ اس نے میری مسکراہٹ کو شاکی نظروں سے دیکھا۔

''بولو نا!'' میں نے مسکراہٹ ضبط کی۔

''ڈیڈی۔''

میری مسکراہٹ اڑن چھو ہو گئی۔ ہاتھ گود میں آن گرے۔

''بتایئے نا لیں گی انعام تو۔''

''تمہیں کس نے کہا یہ؟'' میں نے دل کی ہوک کو دبا کر سنجیدگی سے کہا۔

''انعام تو میں خود دوں گا۔''

''کہاں سے؟''

''جب آپ مجھے.....'' کہتے کہتے اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور آگے میں سب سمجھ گئی۔

''جاؤ فیضان میں آ رہی ہوں۔''

''میرا سوال؟''

''جاؤ یہاں سے۔'' میں نے ڈپٹ کر کہا اور وہ باہر بھاگ گیا۔ میں نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

جس بات کو میں ذہانت سے تعبیر کر رہی تھی وہ تو سکھا کر بھیجا ہوا ردعمل تھا۔

دادی اماں..... امی..... مجھے رنج ہوا گڑیا۔

''آپ لوگ فیض کا راستہ بدل کر اچھا نہیں

digest library.com

کر رہے۔" شاکی سے انداز میں ان کو مخاطب کیا اور وہاں سے اٹھ گئی۔

❁❁❁

"کیا بات ہے سنیعہ' بہت چپ چپ سی ہو؟"

"نہیں تو۔" اس نے فائل بند کر کے سرسری سے انداز میں کہا۔

"نہیں' کوئی بات تو ہے۔ ورنہ تم تو ہمہ وقت مصروفِ عمل نظر آتی ہو۔ یوں چپ سی بیٹھی ہو' پریشانی ہے کیا۔ فکر مند ہو کسی وجہ سے؟" ثناء نے اس کا بغور جائزہ لیا۔

"ثنا۔" دھیرے سے اس نے پیپر ویٹ کو گھمایا' اس کی نگاہیں غیر مرئی سے نقطہ پر مرتکز تھیں۔

"میں اپنی اس زندگی سے مطمئن ہوں۔ سمجھوتہ کر لیا ہے آگے کی زندگی کی پلاننگ بھی کر لی ہے۔ فیضان بھی خوش و مطمئن ہے اور اس کی پروگریس رپورٹ بھی اچھی ہے۔"

"پھر؟"

"پھر یہ کہ گھر والے اس کا راستہ بدل رہے ہیں۔"

"کیا؟ کیسے؟" ثناء نے اچنبھے سے دیکھا۔

"اس کے خیالات تبدیل کر رہے ہیں۔"

"مگر کیوں..... تمہارے گھر والے میرے خیال میں بہت اچھے اور پڑھے لکھے لوگ ہیں' کیا کہتے ہیں۔"

"کل مجھ سے کہہ رہا تھا جو لوگ چلے جاتے ہیں وہ واپس بھی تو آتے ہیں' پھر میرے ڈیڈی کیوں نہیں آتے۔" اس کے چہرے پر سنجیدگی اور عمیق گہرائی تھی۔

"اوہ' تو یہ بات ہے۔"

"ہاں' اور یہ بات معمولی نہیں ہے۔"

"پھر تم نے کیسے مطمئن کیا۔"

"میں اسے مطمئن کر ہی نہیں سکتی۔ وہ بہت ذہین ہے جواز مانگتا ہے جب تک گھر والے نہ چاہیں۔"

"سنیعہ!" ثناء دونوں ہاتھ ٹیبل پر رکھ کر آگے جھکی۔ "تم باشعور سمجھ دار ڈاکٹر ہو' اچھے برے کی تمیز رکھتی ہو' تمہارے گھر والوں کی خواہش اتنی بھی بری نہیں ہے۔"

"ثناء.....!" شاکی سے انداز میں اسے دیکھا۔

"ہاں سنیعہ' یہ وقت کی ضرورت ہے اور تمہارے لیے اہمیت۔ کوئی ساری عمر ساتھ رہ سکتا ہے اور نہ کوئی ساری عمر تنہا زندگی گزار سکتا ہے۔ ایک ساتھی' ایک راہبر کی ضرورت رہتی ہے اور فیضان نو سال کا ہو گیا ہے' آج تک اس نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی مگر کل....."

"یہ سب سراسر ان سب لوگوں نے سکھایا ہوگا۔ وہ جانتے ہیں کہ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے' بچہ باشعور اور سمجھ دار ہوتا ہے۔ وہ گھر سے باہر نکلتا ہے اور دوسرے بچوں میں گھلتا ملتا ہے' اس نے بھی اپنے باپ کے متعلق سوچا ہوگا اور گھر والوں سے پوچھا ہوگا۔ ظاہر ہے تم تو ڈیوٹی پر ہوتی ہو۔ انہیں کسی طرح سے مطمئن تو کرنا ہی تھا۔"

"مگر ثناء' یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ ابھی میں نے گھر والوں سے بات نہیں کی۔"

"عقل سے سوچو تو ابھی وقت گزرا نہیں ہے۔"

"کیا' کیا..... پاگل ہو رہی ہو۔ کیا بتیس سال کی ڈاکٹر سنیعہ جواد علی' دوسری شادی کرے' جس کا ساڑھے نو سال کا بیٹا ہے۔ ناممکن' ثنا! لوگ کیا سوچیں گے۔ آئندہ ایسی بات مت کرنا۔" وہ کھڑی ہو گئی۔

"ریلیکس' ریلیکس' بیٹھ جاؤ اور ایک بات دھیان سے سن لو۔ عورتوں کی عمر چہروں سے پتہ نہیں چلتی۔ اور تم اتنی نازک' دبلی پتلی ہو لگتی نہیں ہو کہ ایک بیٹے کی ماں ہو۔ اور لوگوں کو سوچنے دو..... عقل مند لوگوں کا کام ہی سوچنا ہے۔ تیسری بات یہ کہ جن کے سولہ برس کے بچے ہوں' وہ بھی تو عمل کر لیتے ہیں' سوچنا تو دور کی بات ہے۔" سنیعہ نے چونک کر ثنا کو دیکھا اور اس کے انداز پر مسکرا دی۔ وہ ڈاکٹر عثمان غوری کی بات کر رہی تھی' جنہوں نے بیوی کے مرنے کے چار سال بعد پچھلے سال دوسری شادی کی تھی۔

"مرد کا کچھ نہیں بگڑتا..... قصور وار تو عورت گردانی جاتی ہے۔" وہ کھڑی ہو گئی۔ "اور میں ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتی' جس سے کل مجھے شرمندہ ہونا پڑے۔" بیگ شولڈر پر لٹکایا' نگاہِ غلط سے اسے دیکھا اور روم سے باہر نکل گئی۔ ثنا نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔ بیوہ اگر خوب صورت ہو تو

digest library.com

لوگوں کو خود بخود ہی سوچنا پڑتا ہے سنیعہ۔

✿✿✿

"ماما! آئس کریم کھانے چلیں نا۔"

لاؤنج میں بیٹھی وہ ایک ڈاکومنٹری دیکھ رہی تھی' جبھی آ کر فیضان نے اس کا شانہ ہلایا۔

"بیٹا! ماموں کے ساتھ چلے جاؤ۔"

"نہیں' آپ چلیں۔ سارا دن تو آپ مصروف ہوتی ہیں اور اب میں ماموں کے ساتھ چلا جاؤں۔"

فیضان منہ بسورتا اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ سنیعہ نے مسکرا کر اسے ساتھ لگا لیا۔

"رات کے دس بج رہے ہیں۔ گاڑی پارک کر دی ہے اور پیدل کا راستہ اتنی دور ہے' جاؤ ماموں کی بائیک پر چلے جاؤ۔ میرے لیے بھی لانا۔" پیار سے چمکارا۔

"نہیں..... نہیں۔" زور سے سر ہلایا۔ "ساری دنیا کے بچے اپنے پیرنٹس کے ساتھ جاتے ہیں۔ اور میں' میرے پپا نہیں تو آپ بھی کہیں لے کر نہیں جاتیں۔" ناراضگی سے کہتا فیضان اس سے ہٹ کر بیٹھ گیا۔ سنیعہ نے تحیر سے اسے دیکھا۔

وہ آج کل فیضان میں واضح تبدیلی دیکھ رہی تھی۔ تبھی موسیٰ اندر آ گیا۔

"کیوں بھئی ماسٹر' کیا ہو رہا ہے؟" وہ صوفے پر گرا۔

"ماموں! امی بہت خراب ہیں۔ مجھے آئس کریم کھانے نہیں لے جا رہیں۔" ناراضگی سے اسے دیکھا اور ماموں کی گود میں جا گھسا۔

"تو میرے ساتھ چلو۔" موسیٰ نے بازو پھیلا کر اس کو ساتھ لگا لیا۔

"آپ کے ساتھ!" سر اٹھا کر حیرانی سے دیکھا۔

سنیعہ دلچسپی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ بچے کتنی جلدی مل جاتے ہیں' ابھی میں کہہ رہی تھی کہ چلے جاؤ تو انکاری ہوا اور اب۔

"لیکن آپ نے تو کہا تھا کہ اگر ماما منع کر دیں تو کہنا پپا ہوتے تو ان کے ساتھ جاتا۔" فیضان ایک ذہین بچہ تھا' برجستہ کہا اور موسیٰ "اے..... اے۔" کرتا رہ گیا۔

"موسیٰ۔" سنیعہ نے ملال سے اسے دیکھا۔

یہ اس کا سکھایا ہوا سبق تھا۔

"میں چلتا ہوں۔" سنیعہ کی ہنوز گھورتی نظروں سے گھبرا کر بھاگا۔

"ماموں۔" فیضان پیچھے بھاگا۔

"وہ اچھا سوری' سوری" کی گردان کر رہا تھا اور رنجوری وہ بیٹھی رہ گئی۔

"تم لوگ..... لوگ....." اسے دکھ ہوا۔ نہ بولنے کی پوزیشن میں تھی' نہ سوچنے کی۔

آج اس کا آف ڈے تھا۔ گھر پر ہی تھی۔ وہ ابو کے ساتھ ناشتہ کرتے ہوئے اخبار دیکھ رہی تھی۔ نزہت آرا گاہے بگاہے باپ سے باتیں کرتی' ساتھ ساتھ اخبار دیکھتیں۔ کبھی چائے کا گرم گرم کپ ہونٹوں سے لگا لیتیں' کتنی فریش اور مطمئن لگ رہی تھیں۔

ان کے دل سے ہوک اٹھی' اس عمر میں لڑکیاں بیاہی جاتی ہیں۔ ان کی بیٹی کو کیسا روگ لگ گیا۔ ہائے جواد' یہ تم نے کیا کیا۔ کیوں چلے گئے..... رُل گئی ہے میری بچی' کاش میں نے تم سے شادی نہ کی ہوتی۔

"ابو! میری گاڑی ورک شاپ بھجوا دیجیے گا۔ ذرا تنگ کر رہی ہے۔"

"بھئی میں تو آج کل مصروف ہوں۔ موسیٰ یا سیف سے کہہ دینا۔" انہوں نے اخبار تہ کیا۔

"سیف کا دن تو آج کرکٹ کی نذر ہوگا۔ اور موسیٰ سے میں ناراض ہوں۔"

"ناراض۔ وہ کیوں بھلا..... تم جانتی ہو ناراض ہونا کتنی بری بات ہے؟"

"وہ فیضان کو الٹی سیدھی باتیں سکھا رہا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ فیضان....."

"سنیعہ بیٹا! کوئی بات الٹی یا سیدھی نہیں ہوتی۔ ہر بات کا ردعمل ہوتا ہے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو کوئی غلط بات بھی نہیں ہوتی۔"

"ابو!" اس نے تحیر آمیز ناراضگی سے دیکھا۔
مگر وہ اٹھ کر جا چکے تھے۔ یہ انداز..... یہ ردعمل..... کیوں؟
"ابو! ڈرائیور سے کہہ دیجئے گا۔" پیچھے سے آواز دی۔
"ڈرائیور چھٹی پر ہے۔" لان سے آواز ابھری تھی۔
وہ سر جھکا کر اخبار تہ کرنے لگی۔
"امی! دادی کہاں ہیں؟"
"اپنے کمرے میں ہوں گی۔"
"کیوں، اس وقت تو انہیں لان میں ہونا چاہئے تھا۔ صبح کی تازہ دھوپ اور ہوا میں، میں انہیں لے کر جاتی ہوں۔ آپ بھی آ جائیے۔" وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔
دنیاوی فکروں میں خود کو الجھا لیا تھا اس نے۔ انہوں نے جاتی ہوئی سنیعہ کو دیکھا۔ خود اس کی اپنی ذات کی فکر ذات کا شجر تو سایہ دار ہی اچھا لگتا ہی، ہرا بھرا سبز و شاداب۔
"اور یہ۔" انہوں نے گہرا سانس لیا۔ "جوان بیوگی کے دکھ کی چادر اوڑھ کر مطمئن تھی۔ اور فیضی، باپ کی شفقت سے محروم بچہ۔ میری سنیعہ شروع سے ہی بدنظری کا شکار رہی ہے۔ ہری بھری زندگی کو گہن لگ گیا۔" ان کی سوچوں میں دکھوں کی پرچھائیاں تھیں۔

آج اریبہ کی شادی ہے، چلنا ہے نا جلدی آ جانا۔"
ناشتہ کرتے ہوئے لمحہ بھر کے لیے اس کے ہاتھ ٹھٹکے۔
"آ تو جاؤں گی امی، مگر آج آپریشن ڈے ہے نا۔"
"یہ کوئی معقول بہانہ تو نہیں ہے۔" موسیٰ نے بوائل انڈا چھیلتے ہوئے سرسری سے انداز میں کہا۔
"میں بہانہ نہیں کر رہی۔" اس کے انداز میں خفگی تھی۔ ویسے بھی وہ آج کل موسیٰ سے ناراض تھی۔ فیضان کو الٹی سیدھی پٹیاں پڑھانے والا تو وہی تھا۔
"تو آج چھٹی کر لو۔"
"تم جانتے ہو ڈاکٹر کی زندگی اس کی اپنی نہیں ہوتی۔ ہمیں دوسروں کی زندگی سے پیار ہوتا ہے۔ انہیں بچانا چاہتے ہیں، ہمارا لمحہ لمحہ دوسروں کے لیے ہوتا ہے۔" اس نے چیخ کر جواب دیا۔
"آ..... ہاہا۔" موسیٰ نے برا سا منہ بنایا اور ہاتھ بڑھا کر نمک دانی اٹھالی۔
سنیعہ نے سر جھٹک لیا۔
"ہم بھی تو ان دوسروں میں ہیں، ان دوسروں کا خیال نہیں رکھنا کیا۔ آخر لوگوں سے ہی تعلقات بنتے ہیں۔" موسیٰ نے فلسفہ جھاڑا۔
"موسیٰ۔" اس نے لب بھینچ کر گھورا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔
"میرے خیال میں سنیعہ تم آج چھٹی کر لو..... اریبہ تمہاری پھوپھی زاد، تمہاری کزن ہے۔ دوست ہے تمہاری۔" امی نے رسان سے کہا۔
"امی پلیز!" اس کا انداز ملتجی تھا۔
"امی پلیز، مجھے مجبور نہ کریں۔ میں بہت مجبور ہوں، آپ تو جانتی ہیں نا کہ....." موسیٰ نے شرارتی سے انداز میں اس کی نقل اتاری۔ سنیعہ کو غصہ آ گیا۔
"تو اور کیا کہوں مسٹر موسیٰ بلگرامی صاحب، مجھے اپنی بیوگی کا ڈھنڈورا پیٹنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کام میرے جاتے ہی ہو جاتا ہے، مجھے ترحم آمیز نگاہیں اور لہجہ قطعی پسند نہیں ہے۔ جو اللہ کی امانت تھی، لے لیا اور اب کب تک میں غم و الم کی تصویر بنوں۔" اس کا لہجہ پھٹ گیا۔ "لوگ مجھے بلاتے ضرور ہیں، در پردہ کہتے ہیں نہ آئے تو اچھا ہے۔ ابھاگن، منحوس، کہیں ہم پر نحوست نہ پڑ جائے۔ لوگوں کی سوچ، لوگوں کا نظریہ، ابھی تک نہیں بدلا۔ اور نہ ہی میں بدلنے پر قادر ہوں۔ سمجھے تم۔" سنیعہ نے جلتے بھنتے لہجے میں بات مکمل کی اور باہر نکل گئی۔
نزہت آرا اسے جاتے دیکھتی رہیں۔
"موسیٰ! وہ بہت دکھی ہے، اسے مت چھیڑا کرو۔" انہوں نے دکھی لہجے میں کہا۔
"امی! اسے سمجھائیں، وہ تنہا زندگی نہیں گزار سکتی۔ ہم اور آپ کب تک اس کا ساتھ دے سکتے ہیں۔" موسیٰ کی آنکھوں میں بہن کا دکھ ہلکورے لے رہا تھا۔ "میں صرف اسے یہ بتانا چاہتا ہوں کوئی بھی رشتہ دیرپا ہوتا ہے اور نہ

digest library.com

بائیدار۔ اسے اپنے بارے میں سوچنا چاہئے جب کہ بیوگی گناہ نہیں ہے۔ جتنی جلدی ممکن ہو بیوہ کا نکاح کر دینا چاہئے۔"

"ہم جانتے ہیں۔" انہوں نے گہرا سانس لیا۔ "اسے سب نے سمجھایا ہے مگر وہ کچھ سننے پر تیار نہیں۔"

"وہ سنے گی اور ضرور سنے گی۔" موسیٰ کے لہجے میں مضبوطی تھی۔ اس نے کپ ہونٹوں سے لگالیا۔

"ماما۔"

"ہوں!"

"اچھا کچھ نہیں۔" اس نے آنکھیں موندلیں۔ وہ جو دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھیں، چونک کر فیضان کو دیکھنے لگی جو کچھ کہتے کہتے رک گیا تھا۔

"بولو کیا کہہ رہے تھے؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے رخ موڑلیا۔

"پھر ماما ناراض ہوجائیں گی۔" اس کا رخ اپنی جانب کیا۔ "بولو۔"

"پہلے پرامس کریں کہ ناراض نہیں ہوں گی۔"

"اور تم بھی پرامس کرو کہ ناراضگی والی بات نہیں کرو گے۔" بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"ناراضگی والی بات تو نہیں ماما، مگر یہ حق ہے آپ کا بھی اور میرا بھی۔" سنیعہ چونکی اور اس کی ساری حسیات الرٹ ہوگئیں۔ آگے کی ساری کہانی سمجھ میں آگئی۔

"موسیٰ..... موسیٰ..... تمہاری خیر نہیں۔" اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ مگر اسے اس وقت صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا تھا۔

"میں آپ سے پپا کی باتیں تو کرسکتا ہوں نا۔" اس نے حیرت سے اس کی جانب نگاہ اٹھائی۔ وہ دم سادھے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کسی کے بارے میں باتیں کرنے میں تو کوئی برائی نہیں نا۔" فیضان نے ہاتھ ہلایا۔

"نہیں۔" اس نے دھیرے سے اس کا رخسار چوم لیا۔ "بالکل نہیں میری جان۔" بھیگی ہوئی پلکوں کو جھپکا۔

یہ کس امتحان میں ڈال دیا ہے جواد۔ میں تمہارے بیٹے کو کیسے مطمئن کروں گی۔ سامنے دیوار پر لگی اس کی قد آور تصویر کو دیکھا۔ مسکراتی سیاہ آنکھیں، گھنی سیاہ مونچھیں، تراشیدہ لب۔ خود پر اٹھی اس کی ساحر آنکھیں اسے پزل کردیا کرتی تھیں۔

"مجھے آپ پپا کے بارے میں بتایا کریں، وہ کیسے ہوتے تھے، بچوں سے کیسے پیار کرتے تھے اور مجھے کس طرح چاہتے تھے؟" فیضی بول رہا تھا اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ موسیٰ کی گردن مروڑ دے۔

"وہ تمہیں ایسے پیار کرتے تھے۔" جھک کر اس کے پھول سے رخسار کو چوم لیا۔ "بچوں کو بہت عزیز رکھتے تھے اور تم تو ان کی جان تھی۔" اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"اپنی جان کو کوئی کیسے چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔" فیضی سنجیدہ تھا۔ سنیعہ کا دل بھر آیا۔ آنسو برس پڑے، اختیار ختم ہوگیا۔ بے اختیار فیضی کے بالوں میں منہ چھپالیا اور آنسوؤں کو بہ جانے دیا۔

"جو چلے جاتے ہیں وہ واپس کیوں نہیں آتے؟" وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ فیضان بھی گھبرا کر اٹھ گیا۔

"کیا ہوا ماما؟"

"تم بہت چھوٹے ہو، بہت چھوٹے میری جان، اتنی بڑی بڑی باتیں مت کیا کرو۔" اسے سینے سے لگالیا۔

"بہت ساری باتیں ہمارے اختیار میں نہیں ہوتیں چاند اور نعم البدل کو دل نہیں چاہتا۔ کسی کا پرتو ملتا نہیں نعم البدل میں۔"

فیضی کی چھوٹی سی عقل میں اتنا بڑا لفظ سما ہی نہ سکا۔

"بس ایک بات سمجھ لو جانو!" شدت ضبط سے چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ "جو مر جاتے ہیں وہ واپس نہیں آتے۔ خدا کے پاس جا کر کوئی واپس آ ہی نہیں سکتا۔ کوئی راستہ نہیں ہے، ہمیں ان لوگوں کے بغیر رہنے کی عادت ڈال لینی چاہئے بیٹا۔" دھیرے سے اسے ساتھ لگالیا۔

اس کا ننھا منا سا ذہن نعم البدل میں اٹکا ہوا تھا۔

digest library .com

"اب آپ سو جائیں، صبح اسکول جانا ہے۔" اسے بستر پر لٹا کر کمبل اوڑھا دیا۔

"ماما! آپ رو رہی ہیں؟" اسے دیکھے گئی۔ "آپ کو میری باتوں سے....."

"نہیں میری جان!" اس کا ہاتھ چوم لیا۔ "مجھے رونا اس بات پر آ رہا ہے میرا بیٹا مجھ سے کیا مانگ رہا ہے اور میں اسے دے ہی نہیں سکتی۔" دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"آپ نانا ابو کو پپا کہہ لیا کرو۔ تایا ابو تو ہیں ہی بڑے پاپا۔ پھر آپ کے چاچو ہیں انہیں پپا کہہ لیا کرو۔ اس نے اپنا چہرہ صاف کیا اور مسکرا کر اسے دیکھا وہ سنجیدہ تھا۔

"نیند آ رہی ہے۔" اس نے پلکیں موند لیں۔

"کاش میری جان میں تمہاری خواہش پوری کر سکتی..... تمہارے پپا اتنی دور جا چکے ہیں کہ....." آنکھوں کے گوشوں سے آنسو نکل کر بالوں میں جذب ہونے لگے۔

"جواد میں ہر مقام پر ثابت قدم ہوں..... تمہارے بعد مجھے کسی اور کے قرب کی تمنا ہے نہ خواہش، سب حالات کا جیداری سے مقابلہ کر رہی ہوں۔ مگر تمہارا بیٹا..... میں اسے کیسے مطمئن کروں..... کیسے کروں؟"

❁❁❁

"موسیٰ!" سنیعہ دھیرے سے اس کے کمرے میں داخل ہوئی، وہ جو انہماک سے کمپیوٹر پر منہمک تھا، چونک گیا۔

"سنیعہ تم، کیا ہوا؟" سر گھما کر اسے دیکھا۔

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔"

وہ چونکا، لمحہ بھر میں اس کا جائزہ لیا اور چہرے سے ساری کہانی پڑھ لی اور وہ فی الحال اس موضوع پر اس سے بات نہیں کر سکتا تھا۔

"کہو، کچھ پیسے چاہئیں؟"

"نہیں۔"

"پھر؟" مصروف سا انداز تھا۔

"تم فارغ ہو کر میری جانب متوجہ ہو۔"

"میں بہت اہم موضوع پر کام کر رہا ہوں..... سوری۔" اس نے ہری جھنڈی دکھا دی۔

"میں فیضی کے متعلق بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"بھئی اسے کل لے کر تو گیا تھا Zoo۔ آج کہیں نہیں لے جا سکتا میں، اس کے باپ کا نوکر نہیں ہوں۔ روز روز سیریں کراتا پھروں، مجھے بھی کچھ جوڑنا ہے، ہزار روپیہ ایسے ہی لگ جاتا ہے۔ برخوردار کے فرمائشی پروگرام ہی ختم نہیں ہوتے۔ ماموں یہ دلا دیں، ماموں اس جھولے پر بیٹھنا ہے، ماموں یہ کھانا ہے، وہ کھانا ہے۔ بچہ ہے ندیدہ..... بے ہنگم۔ ویسے سنیعہ!" وہ اس کی جانب گھوما۔

وہ ساکت نظروں سے اپنے بھائی کو دیکھ رہی تھی۔ کس لہجے، کس انداز میں وہ فیضی کے متعلق بات کر رہا تھا۔ اسے اپنے لفظوں کی بے رحمی کا احساس تھا اور نہ تلخ لہجے کا۔

"سچ مان لو کہ تم اچھی ماں نہیں ہو۔ اس کی اچھی تربیت نہیں کر رہی ہو۔ اس کو باپ کی ضرورت ہے۔ اپنے لیے نہیں تو اس کے لیے سوچو۔" وہ سنجیدگی سے اسے سمجھا رہا تھا۔ اور اس کا وجود ٹوٹ کر وقت کے ساحل پر بکھر رہا تھا۔ کس درجہ کم تر انداز میں موسیٰ بول رہا تھا۔

"آئندہ میں لے کر نہیں جاؤں گا فیضی کو کہیں، برائے مہربانی سیف کی خدمات لینا۔" موسیٰ نے دوبارہ کمپیوٹر کی جانب رخ کر لیا۔

اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ابھی بھی بے یقینی میں مبتلا تھی۔ فیضی ایسا ہو سکتا ہے۔ وہ تو بہت معصوم، شریف سا بچہ ہے۔ اپنی کتابوں، اپنے کمپیوٹر سے کھیلنے والا۔ اسے تو مانگنا آتا ہی نہیں۔ چہ جائیکہ فرمائشی پروگرام۔ وہ بے یقینی میں مبتلا ششدر سی موسیٰ کو دیکھ رہی تھی۔ جس کے انداز میں اس کے لیے بے زاری تھی۔

"جتنا خرچ کیا ہے مجھ سے لے لینا۔" جو بات کرنے آئی تھی، بھول گئی۔

"ہاں دے دینا..... ڈبل کر کے۔ آخر کو مجھے بھی شادی کرنا ہے اور سنو۔" کہتے کہتے اس کی جانب گھوما۔

digest library.com

بہن کا اترا ہوا چہرہ' بھیگی پلکوں نے اس کا دل ڈانواڈول کر دیا۔ "اچھا کچھ نہیں۔"

"کہہ دو جو کہنا ہے۔ میں بالکل مائنڈ نہیں کروں گی۔ تم لوگوں کا حق ہے' تم لوگوں کا گھر ہے' میں تو بس....."

"میں تو بس یونہی۔" اس کے بعد وہ ٹھہری نہیں' کمرے سے باہر نکل گئی اور سیدھی لان کے آخری گوشے میں پچھلی جانب چھپ کر خوب روئی۔ جانے کیوں احساس ہو رہا تھا ابھی موسیٰ ہنستا ہوا آئے گا۔ "میں تو مذاق کر رہا تھا' پائی گاڈ! تم سیریس ہو گئیں۔ چھوٹی سی معصوم بہن..... کتنی بہادر ہے اور مذاق نہیں سمجھ سکتی۔ تم تو ہمیں بہت پیاری ہو..... تم تصور نہیں کر سکتیں اور فیضی' فیضی تمہارا نہیں ہم لوگوں کا ہے۔" بارہا ایسا ہو رہا تھا اور ہوتا رہتا تھا۔ فیضی کو اگر ڈانٹ دیتی تو سب اس کے پیچھے پڑ جاتے تھے۔

"کسی خوش فہمی میں مت رہنا..... یہ ہمارا ہے۔"

"اور اب؟" وہ روتے روتے خود ہی چپ ہو گئی۔ گھٹنوں پر سر رکھ کر سامنے دیکھا' خشک پتوں کا ڈھیر اطراف میں بکھرا تھا۔ جامن اور آم کے درخت کونے میں سوگوار کھڑے تھے۔ ہوا میں گہری خاموشی تھی۔ شام کے سائے ڈھل رہے تھے۔

یہ اس کی خوش گمانی تھی' یہ مذاق نہیں تھا' تلخ حقیقت تھی۔ موسیٰ اس سے منہ موڑ چکا تھا' اس گھر میں اس کی حیثیت زبردستی کی ہے کیا؟ مگر کیوں! یہ میرے ماں باپ کا گھر ہے۔ اللہ انہیں سلامت رکھے' میں کسی پر بوجھ تو نہیں ہوں..... پھر؟

پھر..... یہ کہ وہ جوان تھی' خوب صورت تھی' بیوگی کی چادر سفید بے داغ ہوتی ہے۔ اس میں ذرا سا میل' ذرا سا دھبہ' حرفِ شکایت ملامت بن جاتا ہے۔ وہ اپنی جگہ مطمئن تھی۔ مگر بڑوں کو اس کی فکر تھی۔ اس کو یوں سوگوار' سرگرداں نہیں دیکھ سکتے تھے' جواد اگر اسے طلاق دے دیتا تو پھر تو اس کا فیصلہ تھا کہ شادی نہ کرے مگر ذمہ خدا نے لے لیا تھا' اس کا عقد ضروری ہو گیا تھا بچوں کی خاطر عمریں نہیں گزاری جا سکتیں۔

اور اب گھی ٹیڑھی انگلیوں سے نکلنا تھا۔

✡✡✡

"دادی اماں! ایک بات کہوں۔" رات کو دادی کے کمرے میں ان کی ٹانگیں دباتے دباتے اس نے دھیرے سے سوال کیا' جو اخبار بینی کر رہی تھیں' چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔ دھیرے دھیرے ٹانگیں دباتی' سر جھکائے' سوچوں کی پُرتفکر تصویر بنی تھی۔

"کہو۔" دادی اخبار بند کر کے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ موسیٰ کی باتوں سے وہ بہت ہرٹ ہوئی تھی۔

"میرا خیال ہے مجھے یہاں نہیں رہنا چاہیے۔" دھیرے سے سر اٹھایا۔

"ایں' یہ کیا کہہ رہی ہو' پھر کہاں رہنا چاہیے؟"

"فیضان کے دادا کے گھر۔" اس نے نظریں چرا لیں۔

"کیوں؟" اچھنبے سے انداز میں دیکھا۔

"شادی کے بعد میرا یوں یہاں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ دادی اماں' پھر موسیٰ اور سیف کی شادی کرنا ہے۔ جگہ پڑ جائے گی' ابراہیم بھائی بھی بھابھی اور بچوں کے ساتھ آئیں گے' سجاد بھائی ہیں' تو اس لیے۔"

"یہ تو سب وقتی مسئلے ہوں گے۔ شادی کے بعد سب اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں گے۔ ایک کمرہ تینوں کے کام آ سکتا ہے۔" انہوں نے شاید اس کے مسئلہ کو سمجھا نہیں تھا۔ اس نے بے چارگی سے انہیں دیکھا۔ ان لوگوں کو بھی تو فیضی کی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے۔

"میں چاہتی ہوں فیضان' دادا' تایا اور چچا کے درمیان رہے تو....."

"سنیعہ! کسی بھی معصوم اور محروم بچہ کے لیے حوالے بہت اچھے ہیں مگر جو حوالہ ماں کا' باپ کا ہے' اس کا نعم البدل کوئی نہیں ہو سکتا۔"

"اپنا باپ تو پھر اپنا ہی ہوتا ہے نا۔" اس کا لہجہ بھیگا۔

"فیضان ننھیال اور ددھیال میں پھولوں کی طرح رہے گا۔ اگر تم اپنے بارے میں سوچ لو بیٹا' زندگی کا سفر

بہت طویل ہوتا ہے۔ ایک ہم سفر' ایک ساتھی ہو تو راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ تمہارے دادا کی وفات کو چند سال ہوئے ہیں مگر میں ان کی کمی بہت محسوس کرتی ہوں۔ جوانی گزر جاتی ہے بچوں کے سہارے' کل کو تمہارا فیضان بڑا ہوگا' شادی ہوگی' اس کا اپنا گھر' اپنی مصروفیات ہوں گی' اس وقت تم کیا کرو گی؟" وہ دھیمے دھیمے سلجھے ہوئے انداز میں سمجھا رہی تھیں۔

"ساتھی کی قدر و قیمت کا اندازہ بڑھاپے میں ہوتا ہے۔ تم سمجھ دار ہو' گھر والے تمہارے حق میں بہتر کریں گے۔"

وہ چپ چاپ انہیں دیکھے گئی۔ پھر وہی ایک بات' وہی ایک مسئلہ۔ نکاح..... نکاح..... نکاح۔

"بتیس سال کی عورت' جس کا ساڑھے نو سال کا بیٹا بھی ہو' وہ کیا نکاح ثانی کرتی اچھی لگے گی۔ کر بھی لے جبراً تو "وہ" اس کے بیٹے کو قبول کرے گا۔ آج کل کس میں اتنا ظرف ہوتا ہے پرائی اولاد کو محبت بلکہ خالص محبت دے۔ میں نہیں چاہتی کہ باپ سے محروم فیضی' ماں سے بھی محروم ہو جائے۔ اسے تو اپنی پوری زندگی جینا ہے اور محروم تمنا لوگ کیسے ہوتے ہیں میں جانتی ہوں۔" اس نے بے چینی سے اپنی انگلیاں اپنے بالوں میں الجھا لیں۔

دادی اس کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کی خاموشی کا نوٹ کر رہی تھیں' ایک عمر کا تجربہ اُن کے پاس تھا۔ پوتی کی ساری الجھنیں سمجھ رہی تھیں۔

"تم ہاں کرو بیٹا' ہم تمہارے لیے سوچ سمجھ کر اقرار کریں گے۔" دادی نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"دادی میرے اندر دوسرے ساتھی کی خواہش نہیں ہے۔ دنیا میں لاکھوں' کروڑوں بچے ہیں جو باپ کے بغیر رہتے ہیں' ان میں سے ایک فیضان بھی سہی۔ میں اسے کسی چیز کی کمی تو نہیں ہونے دوں گی۔"

"وہ لاکھوں' کروڑوں لوگ بے یار و مددگار ہوتے ہیں۔ جن کے لیے سوچنے والے لوگ نہ ہوتے ہیں اور نہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے والی ہتھیلیاں۔ تم خوش نصیب ہو کہ ہم تمہارے بارے میں سوچتے ہیں۔ اور سنو....."

کئی لمحے ان کے درمیان سرعت سے خاموش مہربانوں کی طرح گزر گئے۔

"تمہارے دیور رضا کی شادی ہو گئی؟" اچانک ہی پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے نظر چرا کر چہرہ بازو پر رکھ لیا۔

"اس کی موجودگی میں تم وہاں رہ سکو گی۔"

"دادی!" اس نے نگاہ اٹھائی اور پھر جھجک کر جھکا لی۔

"دادی وہ بہت پہلے کا قصہ تھا' اور میں انکار بھی کر چکی تھی۔ اب تو کتنے سال ہو گئے ہیں۔"

"بعض مسئلے ایسے ہوتے ہیں جن پر وقت کی دھول پڑ جاتی ہے مگر جوں کے توں رہتے ہیں۔ تمہارے وہاں قیام سے رضا' تمہیں دوبارہ رشتہ کے لیے کہہ سکتا ہے۔"

وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی' یہ بوڑھے لوگ کتنے گہرے پانیوں میں ہوتے ہیں۔

"اور میرے خیال میں گھر کی بات ہے تم جاؤ اور اگر وہ تمہیں پرپوز کرے تو قبول کر لینا۔"

"نہیں۔" اس نے سرعت سے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ بہت مشکل ہے۔"

"کچھ مشکلیں' مشکل تو لگتی ہیں مگر پھر حل ہو جاتی ہیں۔"

"اچھا دادی' شب بخیر۔" وہ ایک دم سے اٹھی اور باہر نکل گئی۔ دادی اسے رنجور نگاہوں سے جاتے دیکھتی رہیں۔

"کیسی بدنصیب بچی ہے' اے اللہ! اس کی زندگی خوشیوں سے بھر دے۔ اسے سچے ساتھی کی خوشی سے ہمکنار کر دے آمین۔" انہوں نے صدقِ دل سے دعا کی۔

❁❁❁

"ماما!" ہوم ورک کرتے ہوئے اسے پکارا۔ وہ جو ساتھ ساتھ اخبار بینی کر رہی تھی۔ "ہوں!" کر کے رہ گئی۔

"ایک بات پوچھوں؟"

"ہوں!"

digest library.com

"میری جانب متوجہ ہوں' اخبار رکھ دیں۔"

"فیضی! پہلے پڑھو پھر ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔"

"بہتر ماما۔" پیارا سا منہ بنایا۔

"ہوں' بولو۔" اخبار سائیڈ پر رکھا۔

"وہ جو ہم اس دن باتیں کر رہے تھے نا۔" ناصحانہ انداز تھا۔

"کون سی؟" تجاہل عارفانہ انداز میں اسے دیکھا۔ دل میں سگنل سا ہوا۔

"وہی' جو میں آپ سے کہہ رہا تھا' رات کو اور آپ..... رونے لگی تھیں۔" بات یاد دلائی۔

"فیضی!" بال سمیٹتے ہاتھ رک گئے۔ "فضول باتیں مت کرو' پیپرز ہونے والے ہیں۔"

"بس ایک بات ماما۔"

اس نے لب بھینچ کر اسے دیکھا۔ جانے کون سی بات کرنے جا رہا تھا۔

"وہ جو آپ کہہ رہی تھیں نا کہ کسی کا نعم البدل نہیں ملتا۔ تو میں نے معلوم کیا ہے' مل جاتا ہے ماما سو فیصد اور....."

"فیضی!" بے بسی سے اسے دیکھا۔ "کون تمہیں اتنی اہم معلومات فراہم کر رہا ہے؟"

"آپ بس آپ راضی ہو جائیں تو ہم....."

"چٹاخ!" فیضی کا منہ گھوم گیا۔ اس کی برداشت کی حد ختم ہو گئی تھی۔ وہ اٹھ کر موسیٰ کے کمرے میں پہنچی۔ اس کی قسمت اچھی تھی وہ ابھی تک گھر نہیں آیا تھا۔ امی کے کمرے میں پہنچی۔

"پلیز امی! موسیٰ کو سمجھا لیں۔ دماغ خراب کر رہا ہے معصوم بچے کا۔ میری زندگی ہے جیسے مرضی گزاروں' اسے کیا حق پہنچتا ہے مداخلت کرنے کا۔" وہ نماز پڑھ رہی تھیں' سلام پھیر کر اس کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"کیا کیا ہے اس نے؟"

"اس سے پوچھئے گا۔ اس کی وجہ سے میں نے فیضان کو مارا ہے۔ اتنی تکلیف ہے اسے تو گھر چھوڑ دیتی ہوں' ہاسپٹل مجھے کمرہ دے رہا ہے۔ چند سالوں میں گزر کر لوں گی۔ نہیں تو ابھی فیضان کے دادا حیات ہیں' میں ادھر چلی جاتی ہوں' فیضان پوتا ہے ان کا' اس کی خاطر مجھے بھی قبول کر لیں گے۔" غصہ سے لال بھبھوکا چہرہ ہو رہا تھا۔

"بیٹا! تم ہم پر بوجھ نہیں ہو۔ آج یا کل' جلدی یا بہ دیر یہ فیصلہ ہونا ہے۔ تین چار رشتے موجود ہیں' ہمیں فیصلہ کرنا ہے ایک تو تمہارے ہاسپٹل سے آیا ہے۔"

"امی!" وہ ہارے ہوئے انسان کی طرح بیٹھتی چلی گئی۔

"آپ سب لوگ کیوں چاہتے ہیں کہ میں....."

"اس لیے بیٹا..... ہم تمہیں سہاگن دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"بنی تو تھی..... اب نہیں امی' اب بس۔" اس کا دل بھرا ہوا تھا' فیضی کو بے وجہ مارا تھا۔ آنسو نکل پڑے۔

"جو ہوگا تمہاری مرضی سے ہوگا۔" محبت سے اس پر پھونکا۔

"اف میرے خدا۔" سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

"بے وقوف مت بنو' تحمل سے سوچو۔ جانے والوں کا اختیار نہیں' خوشیوں پر تو ہے۔"

"امی! کوئی فیضان کو وہ محبت نہیں دے سکتا جو اسے اس کا باپ دے سکتا تھا۔ اس کی شخصیت دو حصوں میں بٹ جائے گی۔ پھر وہ محروم بچہ میرا بھی نہیں رہے گا۔"

"ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ فیضان بہت ذہین ہے اور اگر ایسا ہوا بھی تو اس کے دادا' چچا' ماموں' نانا' سب ہیں نا۔ ہم سب مل کر ایک بچہ نہیں سنبھال سکے تو لعنت ہے ہماری محبت پر۔"

"یہ ممکن نہیں ہے امی۔" انکار میں سر ہلا دیا۔ "بس آپ موسیٰ کو سنبھالیں' انٹ شنٹ نہ بکا کرے۔" وہ کہہ کر کھڑی ہو گئی۔

"خدا نے میرے لیے جتنی خوشیاں رقم کی تھیں' وہ مجھے مل گئیں۔ بس اب کچھ اور کی تمنا نہیں۔"

اس کے بعد وہ رکی نہیں۔

"سیف تم کہاں ہوتے ہو۔ میری گاڑی ٹھیک نہیں کروا سکے۔ کیا فائدہ۔ ہے اتنی کرکٹ کھیلنے کا۔"

"ساری' ہوسکتا ہے مستقبل کی اہم پرسنیلٹی بن جاؤں۔" کالر جھاڑے۔

"اچھا۔" خوش گوار حیرت سے اسے دیکھا۔ "پھر تو تم ہمیں گھاس ہی نہیں ڈالو گے۔" مسکرا کر چھیڑا۔

"گھاس۔" آنکھیں پھیلائیں۔ "جتنی مل گئی ہے کافی سمجھو اور جلدی جلدی کھاؤ اور بوریا بستر سمیٹو اور رختِ سفر باندھو۔ یوں۔" سیف نے چٹکی بجائی۔

اس کی ہنسی تھم گئی۔

"سیف۔" بے آواز پکارا۔

"اور آپ کو معلوم ہے یہ موسیٰ آج کل کیوں جلا بھنا ہے۔" رازداری سے اس کے قریب جھکا۔

"نہیں۔" بے اختیار نفی میں سر ہلایا۔

"اس لیے کہ موصوف کی موصوفہ نے انکار کر دیا ہے۔"

"کیا؟" یہ اس کے لیے انکشاف تھا۔ اسے خبر ہی نہیں۔

"معلوم ہے کیوں؟"

"نہیں۔"

"آپ کی وجہ سے۔"

"میری وجہ سے؟" حیرانی سے اپنی جانب اشارہ کیا۔

"کیوں؟"

"موصوفہ کا ارشاد ہے کہ یہ جو طلاق یافتہ اور بیوہ یا لڑ جھگڑ کر جو لڑکیاں میکے آ کر بیٹھ جاتی ہیں نا یہ ہماری زندگی کی خوشیوں کو کھا جاتی ہیں۔ نظروں میں رکھتی ہیں' ہم لوگ خوش نہیں رہ سکتے ہیں۔ یہ تنگ نظر عورتیں زندگی کو اجیرن بنا ڈالتی ہیں۔"

سیف نے دزدیدہ نگاہ ہکا بکا سی سنیعہ پر ڈالی اور پھر جلدی سے سیب کاٹ کر کھانے لگا۔

"موسیٰ کیا کہتا ہے؟"

"موسیٰ۔ اس لیے تو وہ آپ کے نکاح پر بضد ہے۔" ایک اور اطلاع دی۔

"اور اگر میں یہاں سے چلی جاؤں تو؟" وہ دکھ کے اتھاہ سمندر میں غرق ہو رہی تھی..... تو اس لیے ساری پلاننگ ہو رہی تھی۔

"پھر تو اور بھی نہیں ہوسکتی۔"

"وہ کیوں؟"

"اس لیے کہ چلے جانے والوں کا آنے کا خدشہ رہتا ہے۔ "وہ موصوفہ" تو قطعی راضی نہیں ہوں گی۔"

"پھر کیا کروں؟ مر جاؤں' کنویں میں چھلانگ لگا دوں یا بھاگ جاؤں۔"

"نہیں' ایسا کچھ نہ کرو۔ بس....." کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا؟" چونکی۔

"شادی کر لو۔"

وہ ششدر رہ گئی۔

سیف ساری اطلاعات بہم پہنچا کر بیب سے انصاف کر رہا تھا۔

"سیف!" اس کی ساری ہمتیں جواب دے گئیں۔

"شادی سارے جھگڑوں کا حل ہے؟" اس کا انداز روہانسا تھا۔

"ہاں۔"

"اور اگر میں نہ کروں تو؟"

"تو موسیٰ کنوارا مر جائے گا۔"

وہ دھیرے سے اٹھ کر باہر آ گئی۔

اس کے وجود میں اداسیاں اور اندھیرے ایک ساتھ اتر رہے تھے۔ یوں محسوس ہوا' جیسے بالکل تنہا ہو گئی ہو۔ آج ابھی' جواد نے اس سے منہ موڑا ہو' دنیا سے پردہ کیا ہو۔

سب کے رویے ناقابل فہم ہوتے جا رہے تھے۔ کسی کے پاس اس کے لیے ٹائم نہیں تھا۔ پہلے جو سب اس کے کام کر دیا کرتے' آج اس سے نظریں چرا رہے تھے۔

فیضی کو باہر لے جانا سب نے چھوڑ دیا تھا۔ اس کے پاس ٹائم نہیں تھا۔ ہاسپٹل کی مصروفیات بہت زیادہ ہوتی ہیں' فیضان کا زیادہ تر وقت ٹی وی کے ساتھ گزرتا تھا۔

موسیٰ کا رویہ ناقابل فہم ہوتا جا رہا تھا۔ وہ تو اسے بہت عزیز رکھتا تھا۔

اب..... یہ سیف نے کیا کہہ دیا۔

digest library.com

میری وجہ سے موسیٰ شادی نہیں کرے گا..... کیوں؟ اسے حیرت تھی۔ مجھ سے اسے کیا تکلیف ہے۔ میں اسے کیا کہتی ہوں۔

ہارے ہوئے انسان کی طرح سیڑھیوں پر بیٹھتی چلی گئی۔ آنکھیں غیر محسوس انداز میں بھیگتی چلی گئیں۔ ننھا منا سا فیضان، شوہر کے بغیر پہاڑ سی زندگی، زندگی کو ختم سمجھ لیا تھا۔ مگر سب کے پر اعتماد رویے، خیال، دھیان رکھنا، فیضان کو بھرپور محبت دینا، اس زندگی کی جانب واپس لے آیا تھا۔

وہ ایک ڈاکٹر تھی، پیسے کی فکر نہیں تھی۔ اس وقت جن حالات سے گزر رہی تھی، اس نے اسے ٹھٹھرا کر رکھ دیا تھا۔ بھلا یوں بھی ہوتا ہے، یوں اچانک ہی سب اس سے دل برداشتہ ہو گئے ہیں۔

کیوں؟..... ٹھنڈے یخ ستون سے سر ٹکا دیا۔ اوائل راتوں کا چاند اس کے سامنے تھا۔ ہر سو ایک گہری خاموشی سی اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ یوں محسوس ہوا جیسے یہ خاموشی در و دیوار سے اتر کر اس کے وجود میں سرائیت کرتی جا رہی ہو۔

صرف ایک لفظ نکاح.....

صرف ایک جملہ..... شادی کر لو۔

کیوں؟..... کیوں؟

وہ اچانک ہی چونکی..... امی نے کہا ہوگا اس کے لیے رشتہ آیا ہوا ہے۔

"تم ایک دم سے پاگل ہو، کر لو نکاح، گھر بساؤ، زندگی کی خوشیوں پر تمہارا بھی حق ہے۔ سوگ روگ نہیں بن جایا کرتے۔ دکھ کے ساتھ ساتھ خوشیاں بھی زندگی کا حصہ ہوا کرتی ہیں اور منہ موڑنے والے بدنصیب ہوا کرتے ہیں۔ خود سوچو کہ اتنے عرصے بعد تمہیں کہا جا رہا ہے اس عرصہ میں کوئی دوسرا رشتہ نہیں آیا تو..... مان لو کہ قدرت بھی تمہیں یوں بے کل و دل گرفتہ نہیں دیکھ سکتی۔"

ثناء نے اسے متضحل و اداس دیکھا تھا، سارا دن نوٹ بھی کیا تھا۔ شام کو اسے اسپتال کے لان میں لے آئی تھی اور اب اس کا ہاتھ تھامے رسان سے اسے سمجھا رہی تھی۔

"ثناء! میں فیضان کو مکمل متوازن شخصیت کا حامل انسان بنانا چاہتی ہوں، روزِ محشر جب جواد اسے دیکھے تو مجھ سے یہ نہ کہے کہ سنیعہ مجھے تو تم پر بہت اعتماد و یقین تھا مگر تم!" اس کے انداز میں خدشے تھے۔

"سنیعہ! تم اپنی زندگی از سر نو شروع کرو اور فیضان کا مسئلہ ان تمام پیارے لوگوں پر چھوڑ دو۔ وہ فیضان کو بہت محبت اور پیار سے پالیں گے، ان کے بڑھاپے کی خوشی ہوگا۔ تم خود دیکھنا۔"

"ان تمام بوڑھوں کے لیے ان کی اولادوں کے بچے کافی ہیں۔ وہ کہاں پرائی اولاد کے لیے خوار ہوں گے۔" شاکی سا انداز تھا۔

"چلو اگر کسی کا یقین نہیں تو فیضان مجھے دے دینا۔ گاہے بگاہے ملنے آتی رہنا۔ پھولوں کی طرح پالوں گی اپنے بچوں کے ساتھ۔"

"ثناء!" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ "میرے بچے کا بچپن رل جائے گا۔ میں اسے بے اعتنائی کے چنگل میں کیسے چھوڑ دوں۔ وہ بہت ذہین اور حساس ہے اور حساس لوگ بہت نازک ہو جاتے ہیں۔ میں اسے زمانے کے سرد و گرم کے حوالے کیسے کروں۔" دھیرے سے پوروں پر آنسوؤں کو سمیٹ لیا۔

"سوچنا اور غور کرنا۔ اب چلوں میں، حارث ہارن دے رہے ہیں۔ لینے آ گئے ہیں۔" اس نے دور پارکنگ ایریا میں وائٹ گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑے حارث کو دیکھا، ہاتھ ہلایا۔ حارث اس کا شوہر، مکمل زندگی تھا۔

ثناء سے خدا حافظ کہہ کر چلی گئی۔

"مجھے تو کسی رفیق، کسی ساتھی کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ جواد کے ساتھ اتنی بھرپور زندگی گزاری ہے۔ اب کسی طلب کی گنجائش نہیں ہے تو میں کیسے کسی کو رفیق سفر بنا لوں، زبردستی کے تعلق میں محبت رہتی ہے نا خلوص۔ ایسے تعلق مصیبت جاں ہوتے ہیں، خون نچوڑ لیتے ہیں۔

digest library.com

میں دو حصوں میں بٹ جاؤں گی۔ فیضان ممتا کو پکارے گا۔"

سامنے لوگ آ جا رہے تھے' کچھ مریض' کچھ تیماردار' کچھ مہمان' پریشان حال' ستے ہوئے چہرے والے لوگ۔ ان آتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہی تھی اور سوچوں کا ایک جال تھا' جو اسے آکٹوپس کی مانند جکڑے ہوئے تھا۔

کئی لمحے یوں ہی گم ہوتے چلے گئے۔ اسی وقت اپنے نام پر چونک کر پلٹی۔ "سنیعہ۔ تم یہاں کھڑی ہو۔" وہ رضا تھا' جواد کا بھائی' فیضان کا چاچو۔ "گھر میں سب خیریت ہے نا' ابو امی سب ٹھیک ہیں؟"

"ہاں۔ کیسے آنا ہوا؟" اس نے بیگ شولڈر پر لٹکایا۔ اس شخص کی لودیتی آنکھوں سے ہمیشہ ہی ڈر لگا کرتا تھا۔ جواد کے بعد اس شخص نے پہلی بار اس کی جانب ہاتھ بڑھایا تھا' نکاح ثانی کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

"مصروف ہو؟" گاڑی کی چابی اور موبائل دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں' گھر جا رہی تھی۔"

"چلو تمہیں ڈراپ کر دیتا ہوں۔ ایک ضروری بات بھی کرنا ہے۔"

"ضروری بات!" وہ چونک گئی۔ "دراصل میری گاڑی قریب ورک شاپ میں ہے' صبح دی ہے میں نے' اب لیتی ہوئی جاؤں گی۔" دھیرے سے کہا۔

"ورک شاپ تک کا ساتھ۔"

سنیعہ نے تذبذب سے دیکھا۔

"پلیز! ہمارے درمیان ابھی رشتے برقرار ہیں' فیضان....."

لمحہ بھر کو متامل انداز سے سوچا اور اس کے ساتھ قدم بڑھا دیئے۔

"اتنے دنوں سے گھر نہیں آئیں۔ فیضان سے فون پر بات ہو جاتی ہے۔" گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے اسے دیکھا۔

"آج کل مصروفیت زیادہ ہے' پھر فیضان کے پیپرز ہو رہے تھے بس۔"

(آج کل تو وہ زندگی کے مشکل ترین دور سے گزر رہی تھی)

"کچھ پریشان ہو؟" اس کا جائزہ لیا۔

"میں' نہیں تو۔ تم سناؤ کچھ کہنے والے تھے۔"

اس نے لب بھینچ کر سامنے دیکھتے ہوئے گاڑی کی رفتار دھیمی رکھی۔ یہ لڑکی اس کی زندگی کا مشکل سوال۔

"میں نے سنا ہے کہ تمہاری شادی ہو رہی ہے۔" اس نے کسی بھی لگی لپٹی کے بغیر کہہ دیا۔

"میری شادی؟" اسے تعجب ہوا۔ "کس نے کہا؟"

"انکل کا فون آیا تھا ابو کے پاس۔ اگر آپ کو اعتراض۔"

"رضا! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ جب تک میں راضی نہیں ہوں گی' کیسے کوئی کر سکتا ہے۔" اس کا دوٹوک لہجہ تھا۔

"تم جب بھی سوچو' میرا پروپوزل آج بھی ہے تمہارے لیے۔" اس کا لہجہ دھیما اور پرخلوص تھا۔ وہ دم بخود رہ گئی۔

"ایسی بات مت سوچو رضا' تمہارا رشتہ فیضان سے برقرار ہے۔ میں اس پر فاصلوں کی گرد نہیں پڑنے دینا چاہتی۔ اور میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔ تم جواد سے بہت چھوٹے ہو اور تمہیں ہمیشہ میں نے بھائیوں کی طرح ٹریٹ کیا ہے۔ تم شادی کر لو۔ بس ادھر سائیڈ پر گاڑی روک دو..... اپنی امی کی خواہش کا احترام کرو۔" میں نیچے اتر گئی۔ "میری خواہش کر کے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ میں فیضان کے در بند نہیں کرنا چاہتی۔ خدا حافظ۔"

مایوسی' نامرادی' دل کی بے کلی' اس کے وجود کا ہی نہیں زندگی کا بھی حصہ ٹھہری ہے۔ یہ لڑکی' ہمیشہ اسے مایوس کر دیتی ہے۔ کوئی زور و جبر بھی نہیں..... آس و امید بھی نہیں۔

وہ کھڑا اسے دیکھتا رہا جب تک وہ گیرج سے گاڑی

لے کر چلی نہیں گئی۔

پریشان سوچوں کے ساتھ وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ بیڈ پر اوندھا لیٹا فیضان کارٹون دیکھ رہا تھا۔ کمرے میں ملگجا سا اندھیرا تھا' اس نے لائٹ جلائی۔

''السلام علیکم بیٹا۔'' بیگ اور چیزیں سائیڈ پر رکھیں۔ وہ شاید کارٹون میں منہمک تھا' دھیرے سے اس کے قریب نیم دراز ہوگئی۔ ''لاؤنج میں چلے جاتے' نانا ابو کے ساتھ دیکھتے کارٹون۔ طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' دھیرے سے چھوا اور اس کے غیر معمولی انداز کو محسوس کیا۔

''کیا ہوا فیضی؟'' بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''کچھ نہیں ماما۔'' اسکرین پر نگاہ تھی۔ ریموٹ سے ٹی وی آف کردیا۔

''ناراض ہو؟''

''نہیں تو ماما۔''

''کہیں گھومنے جانا ہے؟'' بغور جائزہ لیا۔

''نہیں۔'' نفی میں سر ہلایا۔

''کسی نے کچھ کہا ہے؟''

''نا!'' خاموشی' سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ ''میں ضد نہیں کرتا' اچھا بچہ بن گیا ہوں نا۔''

''تم اچھے بچے ہو بیٹا۔'' بیٹے کو اپنے ساتھ لگالیا۔

''اب میں کبھی ماموں کے ساتھ جانے کی ضد نہیں کرتا' نہ فرمائش کرتا ہوں۔ آج چاچو بھی آئے تھے' ان کے ساتھ بھی نہیں گیا۔ آپ ناراض نہ ہوجائیں نانو سے الٹی سیدھی باتیں بھی نہیں کرتا۔''

''میری جان۔'' اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔ یہ سب اس نے کہا تھا' سمجھایا تھا اور اس نے عمل کرلیا۔ بچہ یہی تو تھا۔ وہ حساس بچہ تھا' سمجھدار تھا۔

''بس ادھر ہی رہتا ہوں۔''

''کیوں؟''

''سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہتے ہیں ماما۔ دادا جان کے گھر چلیں۔'' اس کی جانب دیکھا۔ جانے کیوں اسے بہت اداس سا لگا۔

''صبح ہاسپٹل جاتے ہوئے چھوڑ دوں گی آپ کو۔''

''اور آپ؟''

''میں شام کو آجاؤں گی۔'' اس نے چہرہ گھمالیا۔

''ٹھیک ہے۔'' وہ مان گیا۔

اس کے بعد وہ کتنی دیر اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہی۔ کوئی فرمائش نہیں' کوئی اسکول کی بات نہیں' کوئی دوسری بات نہیں کی۔

اس پر پابندیاں لگا کر اچھا کیا ہے' اس پل خود کو بے حد مجبور اور مایوس سمجھا۔

❁❁❁

''وہ بڑا ہو رہا ہے' سمجھدار و حساس ہے دوسرے بچوں سے ملتا جلتا ہے۔ اسے باپ کی کمی کا احساس شدت سے ہوتا ہے بیٹا۔ جو رشتہ موجود نہ ہو' اس کی کمی بے حد محسوس ہوتی ہے' جس اعصابی تناؤ سے تم اسے بچانا چاہتی ہو' وہ اسی بے اعتنائی کا شکار ہوتا جارہا ہے۔ بچے زندگی کے سفر میں ناکام رہتے ہیں اور تم اسے ناکامی سے بچانا چاہتی ہو۔''

دادی اماں نے دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے سمجھایا۔ ''بے بنیاد خدشوں کو دل میں جگہ مت دو..... اور اچھائی کو راہبر بنالو' زندگی میں اچھا بھی ہوتا رہتا ہے' انشاء اللہ اچھا ہی ہوگا۔''

وہ آنکھیں موندھے ایک ہاتھ تھامے ان کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی۔ آنسو تواتر سے بالوں میں جذب ہو رہے تھے۔

''تنہا رہنے سے فیضی اور تنہا ہوجائے گا اور تنہائی کا عذاب بہت بُرا ہوتا ہے۔ تمہیں تحفظ' عزت اور حرمت سب کچھ چاہئے۔ معاشرہ مرد کا ہوتا ہے' عورت معاون و مددگار ہوتی ہے۔ لیکن اس معاشرے میں عورت تنہا رہے' اس کو مرد کا سایہ نہ ملے تو نیلے آسمان تلے بے یار و مددگار ہوتی ہے بیٹا۔ مت سوچو' خدا تمہارے حق میں بہتری چاہتا ہے۔''

''دادی! رضا کے گھر والوں کو کیوں بتایا کہ.....''

digest library.com

"ابھی تم ان کے گھر کا حصہ' ان کے پوتے کی ماں ہو۔ تمہارا رشتہ سدا رہے گا اور اس لیے بھی فون کیا کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کے بچے کو لاوارث چھوڑ دیا۔ جب چاہیں فیضی کو رکھ سکتے ہیں' آ سکتے ہیں' بلا سکتے ہیں۔"

"مگر میں۔"

"یہ فیصلہ ہے سب گھر والوں کا۔ اب تم کچھ نہیں بولو گی' بہت من مانی کرلی سمجھیں۔" پیار سے اسے گھر کا۔

اس نے آنکھیں موند لیں۔

اسے ہاں کرنی تھی۔ سب گھر والے شاید یہی چاہتے تھے' اس کی مرضی و منشا کے بغیر۔

"دادی۔" بہت دیر بعد اس نے پکارا۔ "دادی! کوئی بھی ہو' اسے اس خاندان کا حصہ نہیں ہونا چاہیے۔ میری جان پہچان والوں میں سے نہ ہو۔ وہ نہ ہو جسے میں جانتی ہوں اور جو مجھ سے زیادہ فیضی کو محبت دے۔ یہ فیصلہ میں اپنے لیے نہیں' صرف اور صرف فیضی کے لیے کر رہی ہوں۔" بھیگی پلکوں سے جانے کس دل سے اس نے یہ فیصلہ کیا۔ اس کے بعد وہ رکی نہیں۔ اپنے کمرے میں جانے سے پہلے موسیٰ کے کمرے میں آ گئی۔ وہ ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ آہٹ پر چونکا۔ وہ دم سادھے اسے دیکھتی رہی۔

"آؤ' کوئی کام ہے کیا؟"

کیا یہ وہی بھائی تھا جو لمحہ لمحہ اس پر جان دیتا تھا' جس کا کھانا اس کے بغیر ہضم نہیں ہوتا تھا اور..... اور جواب کہتا تھا "جب تک سعدیہ ہے میں شادی نہیں کروں گا۔"

"کیا ہوا..... رک کیوں گئیں' آؤ۔" وہ اٹھ بیٹھا۔

"میں کسی کام سے نہیں آئی' صرف یہ کہنے آئی ہوں کہ....." اس نے گہرا سانس لیا۔ "میں تمہارے راستے کا پتھر ہوں' اس لیے ہٹ رہی ہوں۔ میری قسمت میں شاید یہی لکھا تھا۔ تم زیادہ پریشان مت ہو۔"

"واہ۔" وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ اس کی اگلی بات سنی ہی نہیں۔ "میں بھی مربنہ کو فون کرتا ہوں۔"

اسے بہت دکھ ہو رہا تھا۔ الٹے پیروں باہر آ گئی۔ زندگی سے خلوص ختم ہو گیا ہے۔ محبت کے رنگ تتلیوں کے رنگ بن گئے ہیں اور شاید اب خوشی بھی مفقود ہوتی جا رہی ہے جو کسی کی زندگی میں خوشی بکھیر سکتی ہے۔

دھیرے سے باہر آ کر لان کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

جواد..... جواد..... اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"اے اللہ میری ہی قسمت ایسی کیوں؟ میں نے کیا جرم کیا تھا؟ مجھے جواد کا ہی رہنا دیا ہوتا۔ کیوں..... کیوں اس دنیا میں مجھے بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔" گھٹنوں پر سر رکھ لیا۔

"ماما۔" کئی لمحے ایسے ہی بیت گئے کہ فیضی کی آواز پر چونک کر سر اٹھایا۔

"کیا ہوا فیضی؟"

"آپ رو رہی ہیں؟"

"نہیں تو بیٹا۔"

"پھر اداس کیوں ہیں؟" دھیرے سے اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔ "اب تو میں کچھ نہیں کہتا..... اب تو....."

"میرے بچے۔" دھیرے سے بازو پھیلا کر اسے ساتھ لگا لیا۔

"میرا بس چلے تو دنیا کی ہر خوشی تجھ پر نچھاور کر دوں۔"

"ماما میں نے وہ سب دوست ختم کر دیئے ہیں جو مجھ سے اپنے پاپا کی باتیں کرتے ہیں' ان کے قصے سناتے ہیں۔ میں نے اچھا کیا نا؟"

اس کے دل میں ہوک سی اٹھی..... دھیرے سے اس کا رخسار سہلایا۔ کتنا تنہا تنہا سا لگ رہا تھا۔

"فیضی کتنے دن ہو گئے ہیں ہم باہر نہیں گئے۔" اسے بہلایا۔

"نہیں ماما۔" اس کے بازو سے سر ٹیک دیا۔

"کیوں؟" انگلیوں سے بھیگے رخساروں کو صاف کیا۔

"بس ماما' مزہ نہیں آتا۔ سب جگہیں دیکھ لیں ہیں نا۔"

"آئس کریم کھاؤ گے؟"

"نہیں۔"

"وہ کیوں؟"

''کہا نا ماما اب میں بڑا ہو رہا ہوں اور بڑے ہونے والے بچوں کو بہت ساری چیزوں سے کمپرومائز کرنا پڑتا ہے اور اب میں کوشش کرتا ہوں کہ آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو۔''

وہ ساکت رہ گئی۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس کے بچے کا بچپن اس کی سختی نے نگل لیا۔ اپنی عمر کے کتنے سال یکدم پھلانگ گیا تھا۔

اس کے اندر وحشت سی بھرنے لگی۔

''فیضان! میری جان تم چھوٹے ہو' بہت چھوٹے' مت کیا کرو ایسی باتیں۔'' اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

''نہیں ماما۔ میں بڑا ہو گیا ہوں..... دیکھیں۔'' اس کی آغوش سے نکل کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ''میں بہت بہادر ہوتا جا رہا ہوں۔''

اس کا دل بھر آیا۔ کئی آنسو رخسار پر نکل پڑے۔

''فیضی۔'' اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ پورے چاند کی روشنی میں سنجیدہ اور سوبر بننے کی تمام کوشش کر رہا تھا۔ اس کا بچپن اس کے چہرے پر ٹھہر گیا تھا۔

''ماما سے ناراض ہو۔''

''نہیں تو ماما۔'' شدت سے نفی میں سر ہلایا۔

''تمہیں ڈانٹتی' مارتی ہوں نا۔''

''ماما بچوں کو سمجھانے کے لیے ایسا کرتی ہیں' ماما کو ایسا کرنا چاہیے۔ یہ ان کا حق ہے۔''

سنیعہ نے دھیرے سے ان ہاتھوں کو چوم لیا۔

خلا' خلا رہتا ہے اسے کوئی پُر نہیں کر سکتا میرے بچے! میں تیری خاطر اپنا من مار کر اتنا بڑا قدم اٹھانے لگی ہوں تو اس دعا کرو وہ شخص تیرے لیے باپ ایسا بن جائے۔

دھیرے سے اسے ساتھ لگا کر اپنے کمرے میں لے آئی۔ اتنی سی عمر میں اپنا من مارنا سیکھ گیا تھا۔ میں تو اسے ایک ذہین' سمجھدار' بہادر اور مکمل دیکھنا چاہتی ہوں..... اور یہ۔

اس کی باتوں پر بار بار دل بھر بھر آ رہا تھا۔

❁❁❁

دلگیر' دل گرفتہ' ستے ہوئے چہرے کے ساتھ لاؤنج میں ناشتہ کرنے آئی حالانکہ دل نہیں چاہ رہا تھا مگر بہت سی باتیں دلوں کو مار کر کرنی پڑتی ہیں۔

امی' ابو' دادی کے چہروں پر خوشی سی تھی۔ گویا مدت سے انہیں اس خبر کا انتظار ہو۔

''لاؤ بیٹا' گاڑی چھوڑ جانا میں ورک شاپ بھجوا دوں گا۔'' ابو کہہ رہے تھے۔

''ابو میں نے ہاسپٹل کے قریبی ورک شاپ میں دے دی تھی' ٹھیک ہو گئی ہے۔'' وہ کھڑی ہو گئی۔ ''خدا حافظ۔'' سنجیدگی سے کہہ کر باہر آ گئی۔

عجب بے کلی' بے چینی نے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

''ٹھہرو بیٹا۔'' پیچھے سے امی نے پکارا تو لان کی سیڑھیوں پر رک کر مڑی۔

''جی۔''

''خوش رہو..... جگ جگ جیو۔'' اس کی پیشانی چوم لی۔ اس کی پلکیں لرز گئیں۔

''زندگی میں سب ہی کچھ حسب منشا نہیں ملتا ہمیں' وہ بہت اچھا ہے تمہیں بہت خوش رکھے گا اور مجھے یقین ہے کہ سلمان' فیضان کے لیے بہت اچھا انسان ثابت ہو گا۔''

وہ سر جھکائے سنتی رہی۔ یہ ہی تو اس کی تقدیر تھی اور تقدیر گلے مل کر رہتی ہے۔

''خدا حافظ امی۔'' دھیرے سے کہہ کر پلٹی۔

''سنو! آج فون پر بات ہو گی۔ وہ تم سے ملنا چاہ رہا ہے۔''

ایک دم سے پلٹی۔ سب کچھ بالا بالا ہی طے ہو گیا اور اب کیا ملنا ملانا۔

امی دھیرے دھیرے اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے گاڑی تک آ گئیں۔ ''اس کا رشتہ پہلے بھی آ چکا ہے۔ اکیلی ماں کے ساتھ رہتا ہے' ایک بار شادی سے پہلے..... دوسری مرتبہ جواد کے بعد' اور اب میں سوچتی ہوں بیٹا' یہ تمہارا نصیب ہے۔ کسی سائل کو بار بار لوٹانا صحیح نہیں ہے۔'' اس کے شانوں پر ہاتھ رکھا۔

دھیرے دھیرے پاؤں سے گھاس کھرچتی رہی۔

digest library.com

یوں محسوس ہو رہا تھا گویا سوچنے سمجھنے کی تمام حسیں سلب کر دی گئی ہوں۔ کیسے غیر متوقع لمحے زندگی میں در آتے ہیں۔ اس کا ذہن خالی ہو رہا تھا۔

"سلمان حمید نام ہے اس کا' رین بو پلازہ میں رہتا ہے۔ اچھا پیارا سا فلیٹ ہے' میں اور تمہارے ابو گئے تھے۔ تمہاری دادی اور بھائیوں کو اچھا لگا' محکمہ زراعت میں انجینئر ہے۔" انہوں نے تفصیل بتائی۔

"میں جاؤں؟"

امی نے ایک بار پھر پیشانی چوم لی۔

مضمحل' اداس' بے کل سی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ ریورس کر کے گاڑی مین روڈ پر لے آئی۔ دنیا میں وہی کچھ کیوں ہوتا ہے جو ہمیں نہیں چاہیے۔ اس کی آنکھوں میں دھواں سا بھرنے لگا۔

بے انتہا کرب کے احساس سے ہونٹ کاٹے۔

اور خالی ذہن سے ڈرائیونگ کر رہی تھی۔

"واہ زبردست نیوز' کیا تم نے یہ خبر فیضان کو دی ہے۔ سچ وہ تو ناچنے لگے گا۔" ثناء نے سنتے ہی نعرہ بلند کیا تھا۔ اس کے ستے ہوئے چہرے اور ملگجے سے حلیہ کا احساس ہی نہیں کیا تھا یا یہ کہ وہ کن اعصاب شکن لمحوں سے گزر رہی ہے۔ کیا زندگی میں سب کچھ یونہی ہوتا ہے۔ اس کے وجود میں وحشت بھرنے لگی۔ دل چاہا ابھی انکار کر دے۔ ابھی وقت مٹھی میں ہے..... لیکن دھیرے سے خالی ہتھیلیوں کو پھیلایا۔ وقت اس کی دسترس میں کب تھا۔ حالات و واقعات کس نہج پر جا رہے تھے۔ لڑکیوں کا تو کوئی گھر ہی نہیں ہوتا۔ کون جانے کوئی کب کہاں راستہ بدل جائے۔

آنکھوں کے نیلگوں ساحل بھیگنے لگے۔

"بے وقوف لڑکی' ساری عمر تنہائی کے عذاب سے بہتر ہے' انسان دوسروں کے لیے جی لے۔ یہ بہت ہے تنہا رہنے سے۔" ثناء نے خلوص سے کہا۔

"اور..... جواد' روزِ محشر اسے کیا جواب دوں گی۔" بھرائے ہوئے لہجے اور شاکی سے انداز میں اسے دیکھا۔

"اسے بھی تمہاری یوں بکھری' ترسی زندگی اچھی نہیں لگتی ہوگی۔ وہ اس دنیا سے گیا ہے یہاں کے دستور سے واقف ہوگا' خوش ہوگا۔ پھر یہ تو ہوتا ہی ہے..... فیضان کو بھی تو خوشی ہوگی۔" اس کا چہرہ اندرونی خوشی کے احساس سے چمک رہا تھا۔

سنیعہ نے دھیرے سے نگاہ چرالی۔

"ہاں..... شاید یہ ہی زندگی کے اصول ہیں۔" دھیرے سے سر ٹیبل پر رکھ دیا۔

"سنو۔ سب اداسیاں' فکریں اور پریشانیوں کو رخصت کر دو۔ خوشیوں کے پرندوں کو اپنی زندگی کے ساحل پر بکھرنے دو..... پاگل لڑکی! بریک میں ملیں گے' آج اچھا سا طعام ہونا چاہیے۔" اس نے مسکرا کر سنیعہ کو دیکھا۔

"ابھی نہیں۔"

"کیوں؟" ثنا نے تحیر سے اسے دیکھا۔ "کیا شادی کے بعد؟"

"نہیں۔" نظریں جھکا کر ٹیبل کی سطح کو کھرچا۔

"فیضان کے لیے میرا دل مطمئن ہو جائے۔"

جاتے جاتے دوبارہ اس کے قریب آ گئی۔

"میری جان' دل تو کبھی بھی مطمئن نہیں ہوتا۔ ہمیں قناعت کے سفر پر گامزن ہونا پڑتا ہے۔ اور بچوں کے لیے دل مطمئن نہیں ہوتا' سب ٹھیک ہوگا' انشاء اللہ۔" دونوں کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

ثناء کھلکھلا کر ہنسی اور سنیعہ زیر لب مسکرا دی۔

"سنا ہے جب ایک ہی دعا ایک ساتھ دو انسانوں کے منہ سے نکلے تو وہ قبولیتِ دعا کا لمحہ ہوتا ہے اور اس جانب کا اشارہ ہوتا ہے کہ خدا ہمیں مزید اداس اور پریشان نہیں دیکھ سکتا۔"

سنیعہ نے محبت و پیار سے اسے دیکھا اور باہر نکل گئی۔

"طعام میرے ساتھ۔"

"ہوں!" دھیرے سے چیئر سے ٹیک لگالی۔

ثناء کی باتوں نے ایک اطمینان سا اس کے اندر پھیلا دیا تھا۔ اور جب اتنے سارے لوگ ہوں تو کب

تک اجتناب برتا جاسکتا ہے یا پہلو تہی کی جاسکتی ہے۔

دھیرے سے آنکھیں موند لیں، پلکیں جھلمل کرنے لگیں، تخیل کی سطح صاف تھی، جواد کا عکس نہیں تھا۔

بے اختیار چونکی۔

نئی سطح پر نیا چہرہ ابھر رہا تھا۔

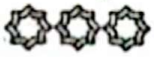

ڈاکٹر سنیعہ! یہ کارڈ ہے ایک صاحب باہر کھڑے ہیں۔" چوکیدار نے اسے کارڈ پکڑایا۔ وہ آخری مریض دیکھ کر فارغ ہوئی تھی، آج اس کی او پی ڈی تھی۔

دھیرے سے کارڈ تھام لیا۔ "سلمان حمید۔" زیر لب دہرایا۔ دل میں ہک نے کوک بن کر سر اٹھایا۔

"بھیج دو۔" پیچھے ہو کر بیٹھی۔ بہت مستقل مزاج شخص تھا۔ او پی ڈی خالی ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ کارڈ پر نظریں دوڑا رہی تھی۔ آہٹ پر سر اٹھایا۔

"السلام علیکم۔ میں سلمان حمید۔"

"بیٹھیے!" دھیرے سے سر اٹھایا۔ دراز قد، خوش شکل سیاہ مسکراتی آنکھوں والا سلمان حمید۔

وہ چیئر کھینچ کر بیٹھ گیا۔

اس کی آنکھیں اس پر مرتکز ہو گئی تھیں۔ خود کو مضبوط کیا۔ دونوں جانب ایک خاموشی تھی، سنیعہ لفظوں کو ترتیب دیتے ہوئے اس کے بولنے کی منتظر تھی۔ ملنے کی خواہش اس کی جانب سے تھی۔

"کہیے۔" طویل خاموشی سے سر اٹھایا۔ اسے کچھ بولنا نہیں تھا، اس کے انداز میں جذب، دیکھنے میں شدت اور محسوسات میں محبت تھی۔ اس کے اندر جلترنگ ہو رہا تھا۔ دونوں ہاتھ ٹیبل پر رکھ کر اسے دیکھے گیا۔

"مجھے کچھ نہیں کہنا۔"

"دنیا میں اتنے سارے لوگ ہیں۔ مجھ سے بہتر، خوش شکل، خاندانی، سلجھے ہوئے، اسمارٹ، کم عمر..... تو ایک بیوہ سے نکاح؟" اس نے کارڈ سے ٹیبل کھرچی۔

"سب آنے جانے موسم تھے، زمانہ تو تھا۔" زیر لب دہرایا۔ وہ چونکی۔

"میں یہاں کوئی وضاحت دینے نہیں آیا۔ صرف اتنا کہنے آیا ہوں کہ اپنے دل سے سارے شک و شبہے، واہمے نکال دیں۔ ہمیں بہتری کی امید رکھنی چاہیے، خدا بہتر چاہتا ہے۔"

"میرا ایک بیٹا ہے۔ اور وہ مجھے عزیز ہے۔ ماں ہوں میں۔"

"آپ کے حوالے سے مجھے عزیز تر ہوگا۔"

اس کا انداز اسے چونکا رہا تھا۔

اب یہ رشتہ تیسرا کے آیا تھا، اس شخص کا۔

اس کا دل و دماغ چونک رہا تھا۔

"بچے تو بچے ہوتے ہیں۔ اس کائنات کا خوب صورت تحفہ زندگی کا احساس۔ سچے پُرخلوص رشتے سوتیلے نہیں ہوتے۔ محبت کی زمین پر کیوں کر بے اعتنائی کی کاشت ہو سکتی ہے۔" دونوں ہاتھ کی ہتھیلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کیے ان پر اپنا چہرہ رکھے بول رہا تھا۔

خود بخود ہی اعتبار اور یقین اس کے اندر اتر رہا تھا۔

ان آنکھوں میں وارفتگی اور محبت تھی۔

"پہلی ملاقات، پہلا انداز، پہلی گفتگو۔" پھر چونکی۔

اس کے لیے تو پہلی تھی مگر اس کے لیے نہیں۔ وہ تو بہت سالوں سے اسے جانتا تھا۔

"بس۔"

"مجھے اپنے بیٹے کے لیے باپ کی محبت چاہیے، سچی، کھری، ریاکاری سے پاک..... بدلے میں میری ساری وفاداریاں آپ کے ساتھ ہوں گی۔" وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

"بدلے میں مجھے کیا ملے گا؟" اسی کے انداز میں بات کی۔

"جب ساری وفاداریاں سونپ دیں تو باقی کیا رہ جاتا ہے۔" سر اٹھایا۔ اس کا انداز..... ایک دم سے اس کا دل سکڑ کر پھیلنے لگا۔ یہ انداز، یہ لہجہ تو محبت کا انتظار کرنے والوں کا حاصل ہوتا ہے۔

تو..... تو.....!

digest library.com

محبت' یقین' احساس۔

اس کا انداز اسے محجوب کر رہا تھا۔

"سنیعہ! تم ایک باشعور عورت ہو کر۔" اس کے وجود میں سرگوشی ہوئی۔

"میں نے سنا ہے کہ آپ پہلے....."

"سنیں!" دھیرے سے منہ پر انگلی رکھی۔ "آپ نے مجھے اوکے کر دیا' تمام واہمہ نکال کر۔"

اس نے سر جھکایا' اوکے نہ کرنے کی اب کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی تھی۔ اس شخص کے لفظ' انداز' لہجہ' سب کچھ پکار پکار کر کہہ رہا تھا' ہمیں تم سے محبت ہے۔

"اور محبت سچی ہو تو سفر سہل ہو جاتا ہے۔"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تھینک یو۔" اب وہ جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک ڈبیہ نکال رہا تھا' دھیرے سے ڈبیہ نکال کر کھولی۔ اس میں خوب صورت سا بریسلیٹ تھا۔

"یہ..... یہ۔" وہ حیران ہوئی۔

"میں آپ کی امی کی اجازت سے لایا ہوں۔ اگر آپ کی بیٹی نے اوکے کر دیا تو پہنا دوں گا۔ اور....." کہتے کہتے رکا۔ "اور۔" سادگی سے دیکھا' اس کی آنکھوں میں شرارت رقصاں تھی۔

"اور آپ گھر جا کر یہ تو نہیں کہیں گی کہ ہاں مجھے قبول ہے۔ شرمیلی لڑکیاں کیسے کہہ سکتی ہیں' تو یہ آپ کا خاموش اقرار ہوگا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ سنیعہ تحیر سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اجازت۔" بریسلیٹ اٹھا کر ہاتھوں میں تھام لیا۔

وہ جھجکی اور پھر ہاتھ آگے کر دیا۔ وہ چہرے سے عیار' مکار' تنگ نظر نہیں لگ رہا تھا۔ محبت کا حامل شخص محبت ہی بانٹ سکتا ہے۔ شرافت کے ساتھ بریسلیٹ کلائی میں پہنا دیا۔

"منگنی مبارک ہو۔"

"منگنی؟"

"ہاں۔" وہ مسکرایا۔ "ماڈرن منگنی۔" وہ بھی ہنس دی۔

"اب چلیں۔" دھیرے سے کھڑا ہوا۔

"کہاں؟"

"دراصل یہ اسپرٹ' سکون' دوائیاں' مریضانہ ماحول مجھے الرجک ہے' تو باہر....."

"مجھے ایک بات اور پوچھنی تھی۔" وہ جھجکی۔

"پوچھیئے۔" ٹیبل پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔

"یہ ماحول تو میرے ساتھ ساتھ ہے۔ پھر آپ نے....."

"دراصل میں گلاب ہوں۔" شرارت سے ہنسا۔ "محبت کا گلاب میرا ساتھ ہر کسی کے ساتھ گلاب کھلا دیتا ہے۔ ساری خوشبوئیں مسحور کن ہوں گی۔" اس کا ہر جواب مکمل تھا۔

"نہیں' آپ نے میرا انتخاب....."

"دل کی ساری حکایتیں ادھر ہی سناؤں گیا۔ یہ داستان طویل ہے۔ آرام و سکون سے سناؤں گا۔ تخلیے میں۔"

"آپ کے گھر والے راضی ہیں؟" ایک اور واہمہ۔

"ہاں۔" مختصر سا جواب دیا۔ "باہر چل کر گفتگو ہو سکتی ہے نا۔" یاد دلایا۔

"اوہ..... ساری۔" بیگ اٹھا کر چیزیں سمیٹیں اور باہر آ گئی۔

"میرے ساتھ ڈنر کریں گی؟"

"ڈنر؟" چونکی۔ "مگر..... گھر....." تذبذب کا شکار ہوئی۔

"میں نے اجازت لی ہے۔"

"سب کچھ خود بخود طے کر لیا۔ میں اس چیز کو بہتر نہیں سمجھتی۔ یہاں کا ماحول میرا جانا پہچانا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" جلد ہی اس کی بات سمجھ گیا۔ اور لان میں آ گئے۔

"فیضی سے ملے ہیں؟"

"اکثر۔"

"اکثر؟" اس نے بے یقینی سے دیکھا۔

digest library.com

"ہاں' اکثر۔ بہت سمجھ دار' سلجھا ہوا ذہین بچہ ہے۔ بے انتہا حساس' مجھے اس میں اپنا بچپن نظر آتا ہے۔ اکثر پارک میں ملاقات ہوئی ہے۔ وہ آ کر کھیلتا نہیں' بس ایک کونے میں بیٹھ جاتا ہے اور گراؤنڈ میں کھیلتے بچوں کو دیکھتا رہتا ہے۔ میں نے اس سے دوستی دو سال پہلے کی ہے۔ میں باہر تھا ابھی چند سال پہلے آیا ہوں۔" دھیرے دھیرے بتا رہا تھا۔ "فیضان نے مجھے بتایا کہ میرے پاپا اللہ میاں کے پاس چلے گئے ہیں۔ ماما کہتی ہیں کہ وہاں سے کوئی نہیں آ سکتا۔"

سنیعہ دم بخود اسے سن رہی تھی۔

"میں نے اسے دوست بنالیا۔ اسی کی وجہ سے میں نے یہ فیصلہ دوبارہ کیا ہے ورنہ میں امی کو کہہ چکا تھا کہ آپ میرے لیے لڑکی دیکھ لیں' محبت ملا نہیں کرتی۔ یہ تو بس دل کا درد بن جایا کرتی ہے۔"

"دل کا درد؟"

"میں تمہیں کالج کے زمانے سے جانتا ہوں۔" ایک انکشاف کیا۔

"میری جاب نہیں تھی اس لیے پہلی بار رشتہ ریجکٹ ہوگیا۔ دوسری بار محکمہ زراعت میں جاب ملنے کے بعد رشتہ بھیجا' مگر محبت میں شاید شدت نہیں تھی۔ آپ کے گھر والے جواد سے اقرار کر چکے تھے۔"

وہ سنگل بنچ پر بیٹھ گئی۔ وہ اس کے سامنے گھاس پر بیٹھ گیا۔

"پھر اب فیضان سے دوستی کے بعد مجھے خدائی محبت پر یقین آ گیا۔ اور پُرخلوص جذبے رائیگاں نہیں جاتے..... کیوں؟" اس کی کلائی میں چمکتے ہوئے بریسلیٹ کو دیکھا۔ "ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟"

اس نے سر جھکالیا۔

"ہاں..... ہاں..... ہاں!" دل نے گواہی دی۔ سامنے بیٹھے شخص کے انداز میں شوق دید تھی۔

کئی لمحے ان کے درمیان خاموشی سے گزر گئے۔

"اگر زندگی میں کبھی پچھتانا پڑ گیا تو؟" دھیرے سے سر اٹھایا۔

"چھتیس سال کا مرد اگر پچھتائے تو پھر اس کی سمجھ داری کی داد دینا چاہیے۔ اگر مجھے ایسا کرنا ہوتا تو ان گلیوں میں آتا ہی نہیں۔" وہ اس کے سارے واہموں اور خدشوں کو مارتا جا رہا تھا۔ اور دل کے پاتال میں یقین خود بخود ہی اترتا جا رہا تھا۔ اور اب تو اترنا ہی تھا۔

"بعض فیصلے خود بخود ہو جاتے ہیں۔

"اور بعض فیصلے ہم خود کر لیتے ہیں۔"

جواد! میں تمہارے نام پر ساری عمر بیٹھ سکتی تھی۔ فیضی کا ساتھ میرے لیے بہت تھا مگر آنکھوں کی سطح نم ہونے لگی۔ لوگ بڑے ظالم ہیں اور سماج دشمن....." کیا ہوا؟" وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

"کچھ نہیں۔" مسکرا کر آنکھوں کی سطح کو پوروں سے خشک کیا۔

"یقین اور بے یقینی کے درمیان ہوں۔" وہ ہنستا ہوا دھیرے سے کھڑا ہوگیا۔

"اعتبار بھی آ ہی جائے گا۔ چلو تو سہی۔"

"یہ میرا جنوں' یہ میری۔" وہ بھی کھڑا ہوگیا۔

اس کے ہمراہ چلتے ہوئے دھیرے سے ہنسی۔ ملال رنگ دھیرے دھیرے پیچھے رہ گیا۔ بعض اوقات ہمیں دوسروں کے لیے اور دوسروں کی وجہ سے بہت سے فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔ ان فیصلوں میں اگر دل کی خوشی اور رضامندی بھی شامل ہو جائے تو زندگی کا سفر سہل ہو جاتا ہے۔

فضا کا بوجھل پن ایک دم سے دور ہوگیا۔

وہ ایک بار پھر گنگنا رہا تھا' گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے۔

اعتبار بھی آ ہی جائے گا.....

چلو تو سہی.....

یہ میرا جنوں.....